ہندوستان میں اشاعت اسلام کے اسباب و عوامل

ایڈمن / 4 days دیر پہلے



ہندوستان میں اسلام کی آمد کے وقت یہاں کے دوقدیم مذہب ہندومت اور بدھ مت کے درمیان کش مکش جاری تھی۔ جس میں بدھ ازم کودوبارہ عروج حاصل ہورہا تھا۔ ان مذاہب کے رہنما سماجی تفریق کے ناسور کا مداوا پیش کرنے سے قاصر رہے۔ اگراس طرح کی برائے نام کوئی کوشش کی بھی تواس میں انہیں کوئی کامیابی نہ مل سکی۔ اس کش مکش کا اور سماجی تفریق کا عوام بالخصوص سماج کے پچھڑے طبقہ پر کافی اثر پڑا۔ اسی درمیان اسلام اپنی صاف ستھری تعلیمات لے کر ان کے سامنے کھڑا ہوا، تو عوام کو نظر آیا کہ طمانینت قلب کے ساتھ ساتھ اسلام نے جونظریہ حیات پیش کیا ہے اس میں بلاتفریق رنگ ونسل سب برابر ہیں اور انہیں اپنے اندر جگہ دینے کے لیے اسلام تیار ہے، لہذاان لوگوں نے ایک نظر اپنے ماضی پر ڈالی اور الوداع کہتے ہوئے اپنے

مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں آتے چلے گئے اور مستقبل کو دینی و دنیوی اعتبار سے سنوارنے میں لگ گئے۔ اب کوئی اونچی ذات کا ہندو کسی نائر سے چھو جانے اور غسل کیے بغیر کچھ کھا پی لینے کے جرم میں غریب الوطنی، قید اور غلامی کی صعوبتیں اٹھانے کے لیے مجبور نہ تھا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام کی اشاعت میں صرف صوفیاء اور عرب تجار کا صرف حصہ ہے۔ بلکہ اس کامیابی کے پیچھے مندرجہ ذیل اسباب عوامل کارفرما تھے:

۱۔ عرب تجار کی تبلیغی مساعی۔
۲۔ سلاطین کا پے درپے ہندوستان پر حملہ کرنا اور مسلمانوں کا آباد ہونا ان سلاطین کے زیر اثر جنھوں نے نووارد مسلمانوں کو اپنے سماج میں بلا فرق و امتیاز جذب کیا۔
۳۔ علماء کی تدریسی، تقریری اور تحریری خدمات۔
۴۔ صوفیاء کرام کی جدوجہد۔
۵۔ انسانی مساوات و بشر دوستی کا اسلامی عقیدہ۔
۶۔ ذات پات کی تفریق سے نفرت و بیزاری۔

ان میں سے ہر عامل نے اپنے اپنے خطوط پر نمایاں کردار ادا کیا۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو اشاعت اسلام کی بحث سے خارج کر دیا جائے تو کئی اہم سوالات پیدا ہو جائیں گے۔ لہذا یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے ذریعہ ممکن ہی نہ تھی۔ بلکہ ان سب عوامل و اسباب نے مل کر ہندوستانی سماج کو متاثر کیا اور جس کے نتیجے میں اس کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ چوں کہ مذکورہ اسباب و محرکات کے امین و عامل مسلمان ہی تھے اس لیے انہیں ابتدائی مزاحمت کے بعد جلد ہی اپنے مشن میں کامیابی مل گئی۔

سلاطین ہند کا کردار

یہ بات درست ہے کہ سلاطین ہند علما، صوفیاء اور مشائخ کی طرح دین اسلام کے نمائندے نہ تھے، مگر اس سے بھی مفر نہیں کہ ان کا ہر اقدام دین کے منافی نہ تھا، یا ان کا فکر کلی طور پر اسلام کے اصول و مبادی سے متضاد و متصادم تھا۔ اگر ان سلاطین میں بہت سے نا اہل تھے تو بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو دینی روح سے مزین اور عدل پرور تھے۔ چنانچہ ان دونوں قسم کے حکمرانوں کے کارناموں، ان کی دینی خدمات، عدل پروری اور رعایا پروری کا موازنہ کرتے ہوئے سید صباح الدین عبد الرحمن نے لکھتے ہیں:

"فخر مدبر کا بیان ہے کہ قطب الدین ایبک نے سخاوت میں حضرت ابوبکر کی اور عدل میں حضرت عمر کی تقلید کرنے کی کوشش کی، حضرت بختیار کاکی کے ملفوظات فوائد السالکین میں ہے کہ التمش کی طرف سے عام اجازت تھی کہ جو لوگ بھی فاقہ کرتے ہوں اس کے پاس لائے جائیں اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا ان پر کوئی ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔

غیاث الدین کے بارے میں مورخ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ وہ اپنی داد دہی اور انصاف پروری میں بھائیوں، لڑکوں اور مقربوں کا مطلق لحاظ نہ کرتا اور جب تک مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کر لیتا، اس کے دل کو آرام نہ پہونچتا۔ انصاف کرتے وقت اس کی نظر اس پر نہ ہوتی کہ ظلم کرنے والا اس کا حامی و مددگار ہے۔ اس کے لڑکے، اعزہ، مخصوصین، والی اور مقطع اس کی عدل پروری سے واقف تھے، اس لیے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کریں، اس کے عدل و انصاف کے قصے بہت مشہور ہیں، خود اس زمانہ کے ہندوؤں نے اس کی حکومت کو دل کھول کر سراہا ہے۔

۱۳۳۷بکرمی مطابق ۱۲۸۰ء کا ایک سنسکرت کتبہ پالم میں ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ بلبن کی سلطنت میں آسودہ حالی ہے۔اس کی بڑی اور اچھی حکومت میں غور سے غزنہ اور دراوڑسے راپشورم تک ہر جگہ زمین پر بہار ہی بہار کی دل آویزی ہے ،اس کی فوجوں نے ایسا امن وامان قائم کیا ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے ، سلطان اپنی رعایا کی خبر گیری ایسی اچھی طرح کرتا ہے کہ خود وشنو دنیا کی فکر میں آزاد ہوکر دودھ کے سمندر میں جاکر سورہے ہیں۔

امیر خسرو علاء الدین خلجی کے بارے میں خزائن الفتوح میں لکھتے ہیں کہ اس نے حضرت عمر کے ایسا عدل قائم کر رکھا ہے اور عوام کے معاملات میں وہ المستنصر باللہ اور المستعصم بنا ہوا ہے ۔ محمد بن تغلق کے بارے میں سلاطین دہلی اور مغل بادشاہوں کے دور کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ عدل نوازی کے سلسلہ میں مشائخ اور علماء کی بھی رورعایت نہ کرتا ،وہ اگر مجرم ہوتے تو ان کو بھی بلا تامل سزائیں دیتا۔مسالک الابصار میں ہے کہ سلطان ہفتہ میں شنبہ کو دربار عام منعقد کرتا اور اس کے افتتاح کے موقعہ پر ایک نقیب بلند آواز سے پکارتا تاکہ مظلومین اپنی فریاد سنائیں،اہل حاجت اپنی ضرورتیں پیش کریں ،جس کو کوئی شکایت ہو یا جو حاجت مند ہو وہ حاضر ہوجائے ،نقیب کے خاموش ہوتے ہی اہل غرض بلا تکلف سامنے آجاتے اور سامنے کھڑے ہوکر نہایت صفائی سے حالات بیان کرتے ،اثنائے بیان میں کسی کو کسی کے روکنے کی مجال نہ تھی۔تاریخ مبارک شاہی اور ملا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ دونوں میں ہے کہ سلطان نے اپنے شاہی محل کے اندر چار مفتی مامور کر رکھے تھے، جب کوئی فریادی آتا تو سلطان ان مفتیوں سے مشورے کرتا اور ان کو تنبیہ کر رکھی تھی کہ اگر کوئی معصوم ان کی فیصلہ کی بدولت تہ تیغ ہوا تو اس کا خون ناحق ان کے گردن پر ہوگا۔اس لیے مفتیوں سے کوئی فروگزاشت نہ ہوتی۔موجودہ دور کے ہندو مؤرخین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فیروز شاہ کی حکومت عدل وانصاف کی حکومت تھی،کسی شخص کو بھی دوسرے پر ظلم وتعدی کرنے کا حق نہ تھا،تمام ملک میں امن وسکون تھا،چیزوں کی فراوانی تھی،اعلیٰ وادنیٰ ہر طبقہ کے لوگ مطمئن تھے،عام رعایا قانع اور دولت مند ہوگئی تھی۔

سلاطین دہلی کی حکومت میں عدل پروری کی جو روایت قائم ہوئی اس کو مغل بادشاہوں نے بھی اور بھی شاندار طریقے پر برقرار رکھا۔بابر نے اپنی تزک میں خود لکھا ہے کہ اس کی فوج بھیرہ سے گزر رہی تھی تو اس کو معلوم ہوا کہ سپاہیوں نے بھیرہ والوں کو ستایا ہے اور ان پر ہاتھ ڈالا ہے ،تو فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کرکے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرایا۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ اکبر نے روزانہ ڈیڑھ پہر عدل وانصاف کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔جہاں گیر اور بھی سخت تھا،وہ دو گھنٹے روزانہ عوام کی شکایتیں سنتا،اس نے تو اپنے محل میں ایک زنجیر لگا رکھی تھی تاکہ ہر شخص کسی روک ٹوک کے بغیر براہ راست اس سے فریاد کر سکے ،وہ سفر میں بھی ہوتا تو روزانہ تین گھنٹے بیٹھ کر فریاد سنتا اور ظالموں کو سزا دیتا تھا،علالت کے زمانہ میں بھی اس کا یہ معمول جاری رہتا۔اس نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ "مخلوق خدا کی نگہبانی کے لیے میں رات کو بھی جاگتا ہوں اور سب کے لیے اپنے آپ کو تکلیف دیتا ہوں ۔ وہ تو نور جہاں کو بھی ایک عورت کے شوہر کو ہلاک کرنے پر موت کی سزا دینے کے لیے تیار ہوگیا تھا۔جیساکہ مولانا شبلی کی نظم "عدل جہاں گیری " سے ظاہر ہوگا۔

مغل بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ وہ دیوان عام میں عوام کی شکایتیں سنتے جہاں ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی ان کے پاس آسانی سے پہونچ سکتا تھا۔جو بھی چاہتا دربار عام کے سامنے حاضر ہوکر خود اپنا استغاثہ پیش کر دیتا،دربار کے عہدے دار اس کو لے کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیتے، بادشاہ اس کو پڑھوا کر سنتا،مدعی سے جرح کرتا اور پھر مناسب کاروائی کے لیے فیصلہ صادر کر دیتا، اگر مجرم کوئی بڑا عہدیدار یا شاہی خاندان کا بھی ہوتا تو اس کو سزائیں دینے میں

تامل نہ کیا جاتا۔
شاہ جہاں نے گجرات کے ناظم حافظ محمد نصیر کو حبس دوام کی سزا اس لیے دی کہ وہاں کے تاجروں کے ساتھ وہ ظالمانہ طریقہ پر پیش آتا تھا، اسی طرح ایک بار بنگال کے ناظم فدائی خاں کو اس کے عہدہ سے برطرف محض اس لیے کردیا کہ عوام اس کے شاکی تھے ۔ اورنگ زیب کے ناقدین بھی اس پر یہ الزام نہیں رکھ سکتے کہ وہ عدل پرور نہیں تھا، اس نے شاہ جہاں کو اس کی معزولی کے بعد ایک رقعہ میں لکھا کہ خداوندتعالیٰ اس کو کچھ عطا کرتا ہے جس میں رعایا کی حالت سدھارنے اور ان کی حفاظت کی صلاحیت ہوتی ہے، حکمرانی کے معنی لوگوں کی نگہبانی ہے نہ کہ تن پروری اور عیاشی ۔
اور اسی عدل پروری کا نیتجہ تھا کہ جو سلاطین مذہبی ہوتے انہوں نے جزیہ یا نئے مندر کے بلنے اور نہ بلنے کا سوال تو اٹھایا لیکن یہاں کہ غیر مسلموں پر اپنا مذہب زبردستی لادنے کی کوشش نہیں کی، وہ خود تو اسلام کے محافظ اور نگہبان ضرور ہے اور مسلمانوں کو بھی اوامرونواہی کی پابندی کرانے کی کوشش کی لیکن کبھی اپنی غیر مسلم رعایا کے مذہبی عقائد میں مداخلت نہیں کی اور ان کی معاشرتی زندگی کو درہم برہم نہیں کیا۔ اکبر نے انسان دوستی کے جذبہ سے ستی کے رسم کو روکنے کی کوشش کی، کمسن بیواؤں کے رواج کو بھی ختم کردینا چاہا، بچپن کی شادی کے خلاف بھی کچھ عملی کاروائی کی، لیکن اپنی ہمدردانہ خواہشوں کو کبھی تلوار کی نوک سے عمل میں نہیں لایا ۔ بعض فرماں رواؤں پر جبری تبلیغ کا الزام عائد کیا جاتا ہے، لیکن تحقیقات سے یہ الزامات زیادہ تر بے بنیاد ثابت ہورہے ہیں ۔
ہندو مؤرخین لکھتے ہیں کہ یوپی چھ سو سال تک مسلمانوں کے زیر نگیں رہا، لیکن یہاں مسلمان صرف چودہ فیصدی ہیں، اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندو مذہب محفوظ رہا اور جبری اشاعت اسلام نہیں ہوئی، اور ہندوؤں کو زبوں حال نہیں بنایا گیا، تمام سلاطین اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ ان کا سیاسی مفاد اسی میں ہے کہ یہاں کے لوگوں کے مذہبی اور معاشرتی نظام میں مداخلت نہ کریں، اس رواداری کے بغیر ان کی حکومت زیادہ دنوں تک قائم بھی نہیں رہ سکتی تھی ۔ صوفیاء کرام نے خدمت خلق اللہ اور عدل پروری کی جو تعلیم دی اور خود یہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ان کا جو کریمانہ اور روادارانہ اخلاق رہا اس سے سلاطین کو مزید تقویت پہونچی ۔ ... لیکن یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جس سلاطین کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے، وہ مسلمانوں کے دور عروج کے اچھے حکمراں تھے، اگر ان میں واقعی یہ خوبیاں نہ ہوتیں تو خون سے ہولی کھیلنے والے، ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑنے والے، اپنے سینوں کو نوک شمشیر اور نوک سنان سے چھلنی کرنے والے راجپوتوں کی سرزمین میں ان کا اور ان کے ہم مذہبوں کا قدم جمنا آسان نہ تھا۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں کی حکومت کے دور عروج میں زیادہ تر اچھے حکمراں گزرے۔
غلام سلاطین میں آرام شاہ، رکن الدین فیروز شاہ، معزالدین بہرام شاہ، علاء الدین مسعود شاہ اور کیقباد جیسے بے جان حکمراں بھی گزرے۔ لیکن اسی خاندان میں التمش کی نیک نفسی اور انتظامی کارکردگی، بلبن کے جاہ وجلال اور عدل گستری کی بدولت حکومت کو غیر معمولی قوت حاصل ہوئی ۔ خلجی سلاطین کے عہد میں قطب الدین مبارک شاہ جیسا رند اور ناصر الدین خسرو جیسا مفسد حکمراں بھی ہوا، لیکن ان کے عہد کی بدعنوانیاں اور کمزوریاں ان کے پیش رو سلطان علاء الدین خلجی کی نبرد آزمائی اور رعایا پروری سے دب کر رہ گئیں، ان کے خاندان کو تو ان سے نقصان پہونچا لیکن حکومت برقرار رہی ۔ غیاث الدین کی مردانگی اور فرزانگی، محمد تغلق کی بلند حوصلگی اور اولو العزمی اور فیروز شاہ کی غیر معمولی رحم دلی اور رعیت نوازی سے جو قوت بنی اس کے سہارے ان کے کمزور جانشیں کچھ عرصہ تک حکومت کرتے رہے ۔ ابراہیم لودھی کو اپنی کمزوریوں کا نیتجہ بھگتنا پڑا۔ ان میں سے اچھے سلاطین کی اچھائیوں کا ذکر کرنے میں جس طرح منہاج سراج (مولف طبقات ناصری) مولانا ضیاء الدین برنی (صاحب تاریخ فیروز شاہی) اور شمس سراج عفیف (کاتب تاریخ فیروز شاہی) نے فیاضی سے کام لیا ہے، اسی طرح

موجودہ دور کے ہندو مؤرخین میں کے۔ ایس۔ لعل۔ نے اپنی تاریخ ہسٹری آف دی خلجیز، ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے ہسٹری آف قرونہ ٹرکس اور ڈاکٹر ایشورٹوپا نے پولی ٹکس ان پری مغل ٹامس میں قابل قدر سلاطین کی خوبیاں بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔
مغل خاندان کے پہلے چھ بادشاہوں کے حربی، سیاسی، اقتصادی اور تمدنی کارنامے اتنے شاندار ہیں کہ اس خاندان کے آخری ۱۳/ نااہل اور نالائق حکمراں انہیں شاندار کارناموں کی بدولت ڈیڑھ سو برس تک تخت وتاج کے مالک بنے رہے، اور جس طرح نظام الدین بخشی نے طبقات اکبری، ابوالفضل نے اکبرنامہ، مستعد خان نے اقبال نامہ جہانگیری، ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ لکھ کر مغل بادشاہوں کے قابل قدر حکمرانوں کی مدح سرائی کی ہے، اسی طرح موجودہ دور کے ہندو مؤرخوں میں ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی نے رائیز آف دی مغل ایمپائر، ڈاکٹر بینی پرشاد نے ہسٹری آف جہانگیر اور بنارسی پرشاد نے ہسٹری آف شاہ جہاں لکھ کر اپنے اپنے نقطہ نظر سے ان حکمرانوں کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ البتہ عالم گیر کی تعریف وتوصیف میں جس طرح عالمگیر نامہ کے مصنف کاظم شیرازی کا قلم چلا ہے اس طرح سرجادوناتھ سرکار جیسے دیدہ ور مؤرخ نے اس بادشاہ کی تاریخ لکھنے میں بیس برس کی مدت گزاری اور بڑی کدوکاوش کے بعد اس کی تاریخ ۵/ جلدوں میں مرتب کی آج تک کسی "نااہل بادشاہ" کی تاریخ اتنی جلدوں میں نہیں لکھی گئی۔"
(ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص:۱۰۹-۱۱۴۔ اسلام، مسلمان اور غیر مسلم، ص: ۲۹-۳۳)

بدقسمتی سے ہندوستان کی وسطیٰ اور جدید تاریخ کے واقعات وکردار کو اس طرح سے مسخ کردیا اور جھوٹ سے بھر دیا گیا ہے کہ غلط اور دروغ بیانی کو الوہی صداقت کی طرح قبول کرلیا گیا ہے، اور جو لوگ حقیقت اور فسانہ میں اصلیت اور بناوٹ میں سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے انہیں کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح سے فرقہ واریت سے ناجائز فائدہ اٹھانیوالوں کا تاریخ کو مسخ کرنے اور دروغ آمیز بنانے کا کام جاری ہے، اور بالعموم اس طرح کے منافقانہ اور سیاسی رہنماؤں کی سرپرستی وقیادت ہی میں انجام پاتے ہیں، چنانچہ اس سیاسی متعصبانہ نظریہ پر سخت تنقید کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی نے آل انڈیا ہسٹری کانگریس اجلاس منعقدہ مدارس (دسمبر ۱۹۴۴ء) کے خطبہ صدارت میں کہا تھا کہ:
"پالٹیکس کے کھیل سے اس ملک کا علم تاریخ بھی بچا ہوا نہیں، بلکہ صاف صاف کہنا چاہیے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے ہندوستان کا مشہور پھل پھوٹ پیدا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی حکومت کی برائی اور اچھائی کی بھی بہت سی باتیں کہی جاسکتی تھیں، مگر ان کے بعد اس ملک میں جو حکومت آئی اس کے زمانہ میں تعلیم کا سررشتہ پورا کا پورا غیر ملکیوں کے ہاتھ میں تھا، ان لوگوں کے ہر جتھے کی ہر طرف سے یہ کوشش تھی کہ اپنے راج کی بڑائی کو ہر ہندوستانی کے دل میں بٹھادے اور ساتھ ہی ایک ایسا کرتب کرے جس سے ان کے دل کے شیشے ٹوٹ کر پھر جڑنے نہ پائیں۔ تعلیم کے سارے مضمونوں میں اس کام کے لیے تاریخ کے سوا کوئی اور چیز مناسب نہ تھی، چنانچہ انہوں نے ملک کے لیے تاریخ کی جو کتابیں شروع سے آخر تک لکھیں اور پڑھائیں ان میں یہی باتیں سو سو طرح سے الٹ پلٹ کر سمجھائیں کہ جو دل ان سے ٹوٹے تھے وہ پھر اب تک جٹ نہ سکے... ہندوستانی ہی کورس کی کتابیں بتاتے ہیں اور تاریخ کے مختلف دور کے بادشاہوں کے حالات کی تحقیق پر کتابیں لکھاتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان کے چلنے کا راستہ ابھی تک وہی ہے جو ان کے پہلے پرانی بدیسی بناکر چھوڑ گئے۔" (مقالات سلیمانی، ص:۳۸۱-۳۸۷، ج:۱)

خلاصہ بحث

عام رجحان یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں سلاطین نے ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا، متعصب مؤرخوں نے اس کے برعکس یہ باور کرایا ہے کہ انہوں نے جبراً اسلام کو پھیلایا۔ دعوت اسلام کے مصنف آرنلڈ نے اشاعت اسلام کا پورا سہرا صوفیاء کے سر ڈالا۔ (ٹی، ڈبلو، آرنلڈ، دعوت اسلا (مترجم اردو: محمد عنایت اللہ) ص: ۲۷۱-۳۱۴، مطبع فیض عام، آگرہ، ۱۸۹۸ء) اسی رائے کو زیادہ تر لوگوں نے قبول کرکے ان کی خدمات کو سراہا ہے۔ عصر حاضر کے کچھ محتاط مؤرخوں نے اپنی تمام بحث اس بات پر مرکوز کردی ہے کہ اسلام کی اشاعت صوفیائے کرام کی ترجیحات یا عمومی ذمہ داریوں سے خارج تھی اور انہوں نے کوئی عملی جدوجہد نہ کی۔ (سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی- ستمبر ۱۹۸۵ء، ص: ۱۹-۴۶، مضمون: برصغیر میں اسلام کی توسیع واشاعت میں صوفیائے کرام کا حصہ، مضمون نگار: ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی) اسی طرح ایک اور مؤرخ نے اپنے ایک طویل مضمون میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ اسلام کی اشاعت میں علماء قدیم نے کوئی نمایاں سرگرمی نہیں دکھائی، ان کا دائرہ کار صرف تعلیم و تعلم اور کتاب لکھنا رہا ہے۔ دین کی تبلیغ کم از کم قرون وسطی کے برصغیر کی حدتک ان کے فرائض اور کاموں میں شامل دکھائی نہیں دیتی، البتہ کہیں کہیں چند مثالیں مل جاتی ہیں جو انگلیوں کی پوروں پر گنی جاسکتی ہیں۔ (سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری- مارچ ۱۹۸۷ء، ص: ۴۵-۶۸، مضمون: برصغیر میں اشاعت اسلام، مضمون نگار: پروفیسر یسین مظہر صدیقی)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس نیک کام کو ہندوستان کی حدتک کس نے انجام دیا، عوام نے یا صرف تجار نے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں سلاطین، صوفیاء، علماء، عرب تجار اور کسی حدتک عام مسلمان بھی شامل ہیں اور سبھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اس کام کو انجام دیا ہے۔
سلاطین نے ملک فتح کرکے یہاں کے باشندوں کو ایک مرکز سے جوڑا اور مسلمانوں کو ان کے درمیان رہنے کا موقع فراہم کیا جن کی معاشرت، تہذیب اور عادات واطوار سے مقامی باشندے متاثر ہوئے اور اس طرح گاہے بہ گاہے وہ مسلمان معاشرہ میں اسلام قبول کرکے ضم ہوگئے۔ دوسری طرف ان بادشاہوں نے جب کسی علاقہ پر فتح حاصل کی توان کے سامنے قبول اسلام کی پیش کش رکھی جس کو بہت سے ہندوؤں نے قبول کیا۔ اس کے بعد پھریہی سلاطین مقامی باشندوں کو اعزاز واکرام سے نوازتے جس کے اچھے اثرات پڑے جس کی آخری شکل حلقہ اسلام میں شمولیت تھی۔
اگر مسلمان ہندوستان میں سیاسی افق پر کمزور ہوتے تو بقول ایک ہندو دانشور کہ یہ بھی امکان تھا کہ ہندی ادیان کے گھنے جنگل میں اسلام کی شخصیت ہی گم ہوجاتی قطع نظر اس کے مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوتی؟ (این۔ سی۔ مہتا، ہندوستانی تہذیب میں اسلام کا حصہ، ص: ۱۰، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۵ء)
اگر یہ تمام باتیں نہ ہوتیں تو پھر صوفیائے کرام جو سلاطین وقت سے الگ تھلگ ہوکر دین کی دعوت کو عام کیے ہوئے تھے کیسے اور کیوں کر یہاں آتے اور کون انہیں اپنے کفرستان میں قال اللہ وقال الرسول کی آواز بلند کرنے کی اجازت دیتے، جسے سن کر دیکھ کر اور ان کے کشف وکرامات سے متاثر ہور کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا جس کی تعداد کا کوئی حتمی ریکارڈ تو نہیں ملتا البتہ تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسے واقعات بکھرے پڑے ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان پاک نفوس کی برکت اور ان کی مساعی سے بے شمار لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔
سید عابد حسین نے صوفیائے کرام اور مبلغین عظام کے تبلیغی مشن کے سلسلے میں جو نقطہ نظر پیش کیا ہے وہ بجا معلوم ہوتا ہے:
"حضرات صوفیا نے اپنے طور پر اس کام کا بیڑا اٹھایا، مگر ان کی راہ میں بڑی مشکلیں حائل تھیں، ملک کا نہایت وسیع اور زیادہ تر چھوٹے چھوٹے قریوں پر مشتمل ہونا، جو بعض علاقوں میں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر واقع

تھے ،آمدورفت کی دشواریاں، بدامنی، جنگ وجدل،اس کے علاوہ ہندومذہب کی جڑیں مضبوطی سے لوگوں کے دلوں میں قائم تھیں،اگرچہ مسلمانوں کامعاشرتی نظام جس میں ابھی تک اخوت ومساوات کاکچھ رنگ باقی تھا، ہندوؤں کے نچلے طبقے کواپنی طرف کھینچتاتھا،لیکن ان کی قدامت پسندی اور وہ وحشت جواجنبی فاتح قوم سے ہواکرتی ہے انہیں روکتی تھی ۔اونچے طبقے عموماًاپنے مذہب سے مطمئن تھے اور اپنی سماجی حالت سے بھی۔ اس میں شک نہیں کہ صوفیوں کی جماعت نے ان ناسازگار حالات میں عام طور پر بغیر حکومت کی مدد کے محض اپنے جوش ایمانی سے تبلیغ کے میدان میں حیرت انگیز کام کیااور زبردست کامیابی حاصل کی،لاکھوں کروڑوں ہندوجن میں اونچے طبقے کے بھی بہت سے لوگ شامل تھے مسلمان ہوگئے ۔پھر بھی مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کے مقابلے میں اس قدرکم رہی کہ ریاست کے لیے یک جہتی اور ہم آہنگی کی جوفضادرکار ہے وہ پیدانہ ہوسکی۔" (سید عابد حسین، قومی تہذیب کا مسئلہ ،ص:۲۷-۳۷، قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان، دہلی، ۱۹۹۸ء)

علمائے کرام نے بھی یقینا خالص دینی جذبے کے تحت ہی اسلامی تعلیمات کو ہندوستان کے کونے کونے میں عام کیا۔ دراصل یہ علماء ایک ایسی کڑی کا کام انجام دے رہے تھے جس کے تانے بانے ایک طرف سلاطین وقت سے ملتے تھے تو دوسری طرف صوفیاء اور مشائخ کی خانقاہوں سے ۔

مسئلہ صرف قبول اسلام تک محدود نہیں بلکہ ان کی تعلیم وتربیت اور دینی فہم کی بھی ضرورت تھی جس کے لیے یہ علماء کرام تھے ۔ ان کی تعلیم وتدریس کے ذریعہ پرورش وپرداخت کرتے تھے ۔ اسی طرح مناظرے کی گرم بازاری نے بھی اسلام کووسعت دینے میں کافی تقویت پہونچائی ہے ۔

اسی طرح عرب تجار نے بھی ملک کے ایک حصے میں اپنے اخلاق وکردار اورصفائی معاملات کی وجہ سے اسلام کی اشاعت میں کوشاں تھے ۔ اگر صرف انہیں لوگوں کواسلام کی اشاعت کا ذمہ دار ٹھہرایاجائے تو پھر شمالی ہند کے لوگوں کوکس بات نے مجبور کیاکہ وہ اسلام قبول کریں ۔

دراصل یہ کام ہندوستانی تناظر میں کسی ایک اہم آدمی کے ذریعہ ہرگزانجام نہیں پاسکتا تھا۔ اس لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اسلام کی اشاعت میں مذکورہ تمام لوگوں نے حصہ لیا،جن کی بے لوث خدمات اور مساعی کو تاریخ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئی ہے ۔ ضرورت ہے کہ ہم ان تمام لوگوں کی خدمات کا غیر جانبدارانہ طریقے سے مطالعہ کریں اور جن لوگوں نے اس کام کو سلاطین کے خانے سے بالکل خارج کردیاہے ان سے سوال کیا جاسکتاہے کہ خلافت راشدہ کے بعد دواہم سلطنت اموی اور عباسی وجود میں آئی کیاوہ دین کے نمائندہ تھے اور انہوں نے اپنی ذاتی دلچسپی سے کتنے غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ انہوں نے اقتدار کے حصول کے لیے جو جھگڑے اور مناقشے کیے کیاوہ بھی دینی جذبہ کے تحت تھے ؟ سیاست اورمذہب کوالگ رکھ کر ہی ان خلفاء کی دینی مساعی کو سمجھاجاسکتاہے ،دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام واستحکام کے بعد ان سلاطین نے مذہب سے بیزاری یادلچسپی کاکس حدتک مظاہرہ کیا اور اسلامی اقدار وتہذیب کوفروغ دینے میں کوتاہی یالاپرواہی تونہیں کی ۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سلاطین ہند نے اپنے اپنے عہد میں اسلامی اقداروتہذیب کو بڑی حدتک فروغ دیا۔چند رسومات ہند کواپنا کر انہوں نے رواداری کے اصول پر ہی عمل کیا۔

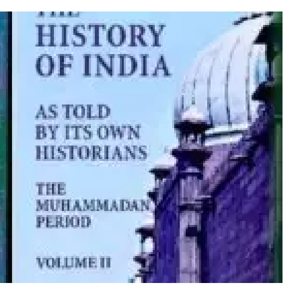
رہی بات جبری اشاعت اسلام کی تواس پورے بحث میں اسی بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام کی اشاعت جبراًہرگز نہیں ہوئی ۔جبرسے لوگوں پر قابوتوپایا جاسکتا ہے مگر دلوں کوہرگز فتح نہیں کیاجاسکتا اور اگر معاملہ ایسا ہی ہوتاتوتاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی کہ جب جب مسلمانوں کااقتدار کمزور پڑا یہاں کے نومسلم اسلام سے پھر جاتے ،دوچند واقعات کے استثنا کے ساتھ تاریخ میں مزید کوئی تفصیل نہیں ملتی ۔ انگریزی عہد میں مسلمان بالکل مغلوب ہوگئے تھے اور اسلام کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی باوجود اس کے اس عہد میں

مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا وہ آسمان سے ٹپک کر آنے والے نہ تھے، بلکہ ہندوستان کے ہی باشندے تھے اور غیر مسلم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان فرمارواؤں نے بڑی حدتک کوشش کی کہ مذہبی رواداری سے قطع نظر نہ کیا جائے۔ ان کے عہد میں مندر توڑے جانے کی شہادت کا پس منظر بس اتنا ہے کہ وہ عموماً جنگ کے دوران توڑے گئے جن میں بہت سے منادر کی بعد میں دوبارہ تعمیر بھی کردی گئی۔
مجموعی طور پر مسلمان حکمراں امن وامان قائم رکھتے تھے، انصاف کے ساتھ حکومت کرتے تھے اور انہوں نے ہندو رعایا کو مذہبی اور تہذیبی آزادی دے رکھی تھی، یہ ضرور ہے کہ انہوں نے ریاست کا قانون بدل کر اسلامی قانون رائج کردیا تھا، لیکن ہندوستان میں یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ حکمران طبقہ اپنا مذہبی قانون جاری کرے۔ ہندو اور بدھ فرماں روا بھی یہی کرتے آرہے تھے۔ بلکہ سلاطین دہلی نے تو اتنی رواداری برتی کہ صرف قانون عام جاری کیا اور شخصی ومذہبی امور میں ہندوؤں کے دھرم شاشتروں کے اصول کو جاری رکھا اور اس کے نفاذ میں مدد دینے کے لیے ملک کی مرکزی عدالت اور صوبوں کی عدالتوں میں پنڈت مقرر کیے۔ اگر کوئی بادشاہ ہندو رعایا پر بے جا سختیاں کرتا تو وہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی تھی جو عموماً خود حکمراں یا اس کے خاندان کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوتا تھا۔ (ایضاً، ص:۷۶-۷۷)

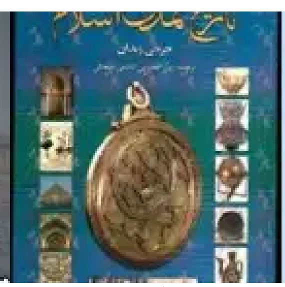
استفادہ تحقیق: : ہندوستان میں اشاعت اسلام سے متعلق اعتراضات کا جائزہ از ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی ریسرچ اسکالر شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جنوری 13، 2016 in تاریخ مسلم ہندوستان ۔ ٹیگز: best book on islamic civilzation، hindustan main islam، hindustan main islam kaisy phaila، hindustan main islam-ahtirazat ky jawabat، History of Islam، History of muslim rule in India، how islam come to india، how islam spread in world، islam in hindustan، Islamic History، Islamic history of india، kia islam talwar ky zoor pr phaila، kia islam zabardasti phaila، Mughal emperor and their services for india، Muhammad Bin Qasim، muslim history، احمد شاہ ابدالی اور شاہ ولی اللہ، اسلام اور تلوار، اسلام اور طاقت، اسلام اور ہندوستان، اسلام کے پھیلنے میں تلوار کا کردار، اسلام ہندوستان میں کیسے پھیلا، اشاعت اسلام اور تلوار، اشاعت اسلام اور علماء، اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کردار، اورنگ زیب عالمگیر-ایک الگ زاویے سے، تاریخ ہندوستان اور ہندو مورخین، تاریخ ہندوستان مولوی، سلطان محمود غزنوی اور ہندوستان، شہاب الدین غوری کے انڈیا پر حملے، طاقت کے زور پر اسلام، مسلم مجاہدین اور انڈیا، ہندوستان میں اسلام - اعتراضات کے جوابات، ہندوستان میں اشاعت اسلام میں علماء کا کردار، ہندوستان میں اشاعت اسلام کے اسباب

متعلقہ تحریریں



ہندوستان میں اشاعت اسلام اور سلاطین ہند پر اعتراضات کے مصادر



جرجی زیدان کی کتاب 'تمدن اسلام' – ایک جائزہ



اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کے حقوق



جزیہ اور مسلم حکومتیں- اعتراضات کا جائزہ

ہندوستان میں اشاعت اسلام اور سلاطین ہند پر اعتراضات کے مصادر →

← جرجی زیدان کی کتاب 'تمدن اسلام' – ایک جائزہ

فیس بک تبصرے

تبصرہ کریں

آپ کا ای میل شایع نہیں کیا جائے گا۔ ضروری معلومات کی * سے نشاندہی کی گئی ہے۔

نام *

ای میل *

ویب سائیٹ

تبصرہ

آپ ان ایچ ٹی ایم ایل ٹیگز کو استعمال کر سکتے ہیں: <a href="" title=""> <abbr title=""> <acronym title=""> <b> <blockquote cite=""> <cite> <code> <del datetime=""> <em> <i> <q cite="">

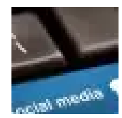
<<strike> <strong

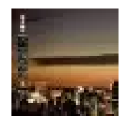
تبصرہ بھیجیں

Notify me of follow-up comments by email.

Notify me of new posts by email.

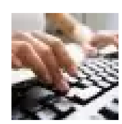
تازہ تحریریں | مشہور تحریریں | ٹیگز


سوشل میڈیا پر ملحدین کی گستاخیاں - ہمارا رد عمل کیا ہونا چاہیے ؟


مغرب میں الحاد کی ابتداء کیسے ہوئی ؟


آخرت - عقلی دلائل کی ضرورت ۔۔


پرابلم آف ایول یا دنیا میں برائی / ناانصافی / ظلم کا مسئلہ


الحاد ڈاٹ کام (ilhaad.com) کمپوزنگ ورک میں حصہ لیجیے

Search...

موضوعات

اسلام اور عقل

اسلام اور عورت

اسلامی قوانین

تاریخ

تاریخ اسلام

تاریخ مسلم ہندوستان

تبصرہ کتب

توہین رسالت

جدید انسان

جدیدیت

حد زنا

حدیث

خدا

دعا قبولیت

دیسی لبرل

سائنسی اشکالات

سرمایہ داریت

سوشل ازم

سیرت

سیکولر مغالطے

سیکولرازم / لبرل ازم

عبادات

علماء / مدارس

فلسفہ سیکھیے

فلسفیانہ اشکالات

قرآن

لونڈی / غلام

متفرق شبہات

مذہب

مذہب فلسفہ اور سائنس

مذہبی جدت پسندی

مرتد کی سزا

مسئلہ آخرت

مسئلہ تقدیر

سوالات / شکوک و شبہات

سائیٹ آفیشل فیس بک پیج

Subscribe to Blog via Email

Enter your email address to subscribe to this blog and receive notifications of new posts by email.

Join 63 other subscribers

Email Address

Subscribe

Tags

Atheism Aurat aur islam Capitalism Everything for sale History of Islam History of

philosphy Ilhad Islamic History islamic modernism islamic scholars modern women Modern world Mulhideen muslim scientist Pervez Hoodbhoy science Secular Secularism Traitor of Pakistan Women right in islam اسلام اور عقل اسلام اور عورت اسلام اور مرتد اسلام دین فطرت جاہل فرقے باز مولوی دیسی سیکولر روشن خیالی سائنسدانوں کے حلوے سائنسی اختلافات سرمایہ دارانہ نظام سرمایہ داریت سیکولرازم علماء پر اعتراضات علماء کی اصلاح عورت اور اسلام فرقہ واریت قرآن پر اعتراض کا جواب لبرل مفروضے مسجد کی اصلاح مغرب پرستی ملائیت مولوی مولوی اور اسلام پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ پرویز ہود بھائی